بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

جنتا حکومت کے قیام سے جہاں جمہوریت بحال ہوئی ملک میں امن وسلامتی کی صورت حال زوال پذیر ہوگئی اور فسادات بھی جگہ جگہ ہونے لگے، اس سلسلہ میں ابھی گذشتہ مہینہ علی گڈھ میں جو فساد ہوا اس نے ہندوستان کے ارباب فہم وبصیرت کو اس سنگین صورتِ حال کی طرف متوجہ کردیا ہے اور مسٹر کلدیپ نائر جو ملک کے مشہور جرنلسٹ ہیں لکھتے ہیں:

"علی گڈھ میں جو فساد ہوا اس کے اسباب کیا تھے؟ اس کے متعلق رائیں مختلف ہیں، لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دو باتیں بالکل واضح ہیں، ایک یہ کہ فساد میں سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں کا ہوا ہے اور دوسری یہ کہ پی اے سی (صوبائی مسلح پولس) مسلمانوں کی حفاظت کرنے میں ناکامیاب رہی ہے موصوف نے الفاظ بہت محتاط لکھے ہیں، ورنہ مختلف جماعتوں کے جو وفد علی گڈھ گئے ہیں ان کا متفقہ بیان ہے کہ مسلح پولس نہ صرف یہ کہ اپنا فرض منصبی ادا کرنے میں ناکام رہی ہے بلکہ اس نے خود فسادیوں کا رول ادا کیا ہے، کرفیو کے اوقات میں جب کوئی شخص گھر سے باہر نکل نہیں سکتا تھا پولس کے لوگوں نے مسلمانوں کے گھروں میں گھس گھس کر قتل وغارتگری کا بازار گرم کیا ہے، مسٹر کلدیپ نائر اس کے بعد لکھتے ہیں:

یہ جو کچھ ہوا اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف ایک فرقہ ہے جس کو حملہ کرنے کے لیے منتخب کرلیا ہے اور قانون کے اجارہ دار اور اس کے محافظ (اگر سازش میں شریک نہوں تب بھی) صرف ایک تماشائی رہے ہیں، یہ صورتِ حال یقیناً بڑی

خطرناک ہے اور اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ پولس ہی نہیں بلکہ جو صوبہ یو، پی کے ارباب اقتدار ہیں ان کا ذہن بھی اس معاملہ میں صاف نہیں ہے چنانچہ علی گڑھ سے پہلے بنارس میں جو فساد ہوا تھا اور جس کا انداز (PATTERN) وہی تھا جو علی گڑھ کا تھا، یو، پی کے چیف منسٹر نے بنارس کی پولس کے بعض لوگوں کو بہادری کا تمغہ عطا فرمایا ہے مسٹر کلدیپ نائر کا یہ مقالہ جو ”علی گڑھ اور اس کے بعد“ کے عنوان سے ہے (مطبوعہ انڈین اکسپریس مورخہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۰ء) کافی طویل مگر نہایت حقیقت افروز ہے، اس میں انھوں نے کئی برس کے اعداد و شمار پیش کر کے ثابت کیا ہے کہ فرقہ وارانہ فسادات کے اعتبار سے ملک کی صورت حال روز بروز بدتر ہوتی جا رہی ہے اور فسادات کی نوعیت کم و بیش ہر جگہ یکساں ہوتی ہے، یعنی جہاں مسلمان خوشحال ہوتے ہیں ان کے کاروبار اور کارخانے ہوتے ہیں وہیں فسادات ہوتے ہیں اور ان میں یک طرفہ نقصان مجموعی اعتبار سے مسلمانوں کا ہی ہوتا ہے اور پولس جس میں نام کو بھی کوئی مسلمان نہیں ہوتا وہ خود فسادیوں کا ساتھ دیتی اور ان کی شریک کار بن جاتی ہے، دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی غرض سے اکثریت کے فرقے کے کچھ لوگ مسلمانوں کے ساتھ گرفتار ضرور کر لیے جاتے ہیں لیکن جب حالات نارمل ہو جاتے ہیں اور لوگ فساد کو بھولنے لگتے ہیں تو ان قیدیوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور کسی پر کوئی مقدمہ چلا اور سزا ہوئی بھی تو معمولی سی۔ اس کے بعد وہ بھی رہا ہو جاتا ہے۔

ملک میں موجودہ لاقانونیت اور فسادات کی کثرت کو دیکھ کر بعض لوگ خیال کرنے لگے ہیں کہ جمہوریت اس ملک کو راس نہیں آئی یہاں ڈکٹیٹرشپ ہونی چاہیے جیسا کہ ایمرجنسی کے زمانہ میں تھا لیکن ہمارے نزدیک یہ خیال صحیح نہیں ہے کیونکہ ملک کے دستور

اور آئین میں وہ سب کچھ موجود ہے جو ملک میں حسن نظم ونسق اور امن وامان قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ فسادات کو روکنے کے لیے بار بار زبانی طور پر جن باتوں کا اعادہ کیا گیا ہے اگر ان پر ایمانداری اور مضبوطی سے عمل کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ صورتحال بہتر نہ ہو اور وہ تدابیر یہ ہیں:

(۱) پولس میں مسلمانوں کو کثرت سے بھرتی کیا جائے اور ہر جگہ پولس ملی جلی ہو۔

(۲) جس جگہ فساد ہو وہاں اجتماعی جرمانہ لازمی طور پر لگایا جائے۔

(۳) فساد کے لیے مقامی ایڈمنسٹریشن کو ذمہ دار قرار دیا جائے اور اس کے مطابق اس کے خلاف تادیبی کاروائی کی جائے۔

(۴) مجرمین کو قرار واقعی سزا دی جائے اور ان کے ساتھ کسی قسم کی کوئی رعایت نہ کی جائے۔

(۵) فساد کی جو اصل جڑ ہے یعنی فرقہ وارانہ منافرت، اس پر کڑی نظر رکھی جائے، جو شخص یا جو جماعت قولاً یا عملاً فرقہ وارانہ منافرت کے پھیلانے اور اس کے پرچار کرنے کی مجرم ہو اس کو سزا دی جائے۔

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اکثریت کے فرقہ میں ایک نہایت منظم جماعت ایسی موجود ہے جس کے جماعتی اور تنظیمی اصولوں میں ہی مسلمانوں کے خلاف ہندو نوجوانوں کے ذہن کو مسموم کرنا شامل ہے، اگر یہ جماعت آزادی سے اپنا کام کرتی رہے اور دوسری طرف حکومت کے ذمہ داروں اور پولس کا معاملہ وہ ہو جس کا مشاہدہ علی گڈھ میں اور دوسری جگہوں میں ہوا اور ہو رہا ہے تو پھر فسادات کے ختم ہونے کی کوئی توقع نہیں ہو سکتی۔ (بقیہ ۲۹۵ پر)